# بانیٔ سلسلہ احمدیہ کوئی نیا دین نہیں لائے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

# بانیٔ سلسلہ احمدیہ کوئی نیا دین نہیں لائے

(تقریر فرمودہ ۲۷؍ دسمبر ۱۹۳۸ء برموقع جلسہ سالانہ قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

آج سب سے پہلے میں دوستوں کو سلسلہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے بعض اخبارات اور رسائل کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ سلسلہ احمدیہ کی طرف سے شائع ہونے والے اخبارات میں سے سب سے مقدم الفضل ہے مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت اخبارات اور لٹریچر کی اشاعت کی طرف اتنی متوجہ نہیں جتنا متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اتنی وسیع جماعت میں جو سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے اور جس کی سینکڑوں انجمنیں ہیں صرف دو ہزار کے قریب الفضل کی خریداری ہے حالانکہ اتنی وسیع جماعت میں الفضل کی اشاعت کم از کم پانچ سات ہزار ہونی چاہئے۔ ایک علمی اور مذہبی جماعت میں ''الفضل'' کی اس قدر کم خریداری بہت ہی افسوسناک ہے یورپ میں لوگوں کو اخبارات پڑھنے کی اتنی عادت ہوتی ہے کہ ایک آدمی دو دو تین تین اخبارات ضرور خریدتا ہے حتّٰی کہ غریب مزدور کے ہاتھ میں بھی ایک دو اخبار تو ضرور ہونگے مگر ہمارے آدمی اس وقت تک اخبار خریدنے کیلئے تیار نہیں ہوتے جب تک اس کا ہر مضمون ان کی دلچسپی کا موجب نہ ہو اور اگر کوئی خریدتا بھی ہے تو وہ پڑھ کر کہہ دیتا ہے کہ ایک دو مضمون ہی اچھے ہیں باقی اخبار میں تو کوئی کام کی بات ہی نہیں گویا ان کے نزدیک اخبار شروع سے لیکر آخر تک ان کی مرضی کے مطابق ہونا چاہئے۔ حالانکہ ولایت میں مَیں نے دیکھا ہے، لوگ اخبار خریدیں گے اور اس میں سے کوئی ایک خبر اپنے مذاق کی پڑھ لیں گے، مثلاً فلاں جگہ گھوڑ دَوڑ ہے' لوگوں کو اتنے بجے پہنچ جانا چاہئے اور پھر یہ خبر پڑھتے ہی اخبار پھینک دیں گے۔ اسی طرح جاتے جاتے ریل میں یا ٹرام میں ہر شخص اخبار خریدے گا اور پھر گھوڑ دَوڑ یا کرکٹ کے میچ کی خبر

پڑھ کر یا گھوڑ دَوڑ اور کرکٹ کے میچ کے نتیجہ پر نظر ڈال کر اخبار چھوڑ دیں گے۔ یہی عورتوں کا حال ہے وہ بھی اخبار خریدتی ہیں اور سوسائٹی میں گپ شَپ کیلئے کسی پارٹی کی خبر ہوئی تو وہ پڑھ لیتی ہیں یا کوئی شادی کی خبر ہوئی تو وہ دیکھ لیتی ہیں اسی طرح موت کی خبر پڑھ لیتی ہیں اور باقی اخبار کو دیکھتی بھی نہیں۔ اس کے مقابلہ میں جو سیاسی آدمی ہیں وہ صرف سیاسی خبریں پڑھتے ہیں اور باقی اخبار چھوڑ دیتے ہیں اور اگر کوئی ایسا شخص ہو جسے اور کوئی ضروری کام نہ ہو تو وہ مضمون پڑھنے لگ جاتا ہے لیکن ہمارے لوگ اس بات کے عادی ہیں کہ ایک آنہ میں سے جب تک وہ پانچ پیسے کی خبریں نہ نکال لیں ان کی تسلی ہی نہیں ہوتی۔

ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ہمارے ہاں ایک جاہل شخص ہؤا کرتا تھا۔ حضرت خلیفہ اوّل اس کے بہت پیچھے پڑے رہتے تھے کہ تو نمازیں پڑھا کر اور آپ چاہتے تھے کہ اسے کچھ نہ کچھ دین کی واقفیت ہو جائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بہت پرانا خادم تھا اس کا وہ بھتیجا تھا۔ ایک دفعہ وہ بازار سے آٹھ آنے کا گھی لایا جو بِلّا کھا گیا اسے پتہ لگا تو اس پر جنون سوار ہو گیا اور وہ لٹھ لیکر بِلّے کے پیچھے پیچھے بھاگا یہاں تک کہ اس لٹھ سے اس نے بِلّے کو مارا اور چُھری سے پیٹ چاک کر کے اس کی انتڑیوں سے گھی نچوڑ کر رکھ لیا۔ کسی نے پوچھا کہ سناؤ گھی مل گیا وہ کہنے لگا۔ آدھ سیر کی بجائے دس چھٹانک گھی نکلا ہے۔ ہمارے یہ دوست بھی اخبارات سے دس چھٹانک گھی ہی نکالنا چاہتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ ایک آنہ خرچ کر کے انہیں پانچ پیسے کی خبریں مل جایا کریں۔ حالانکہ اگر کسی کو علم کی ایک بات بھی اخبار سے مل جاتی ہے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی قیمت اسے وصول ہو گئی بلکہ ایک بات کیا اگر کام کی اسے ایک سطر بھی مل جاتی ہے تو اسے سمجھنا چاہئے کہ ایک آنہ کی اس کے مقابلہ میں حیثیت ہی کیا ہے۔

پھر ریویو آف ریلیجنز وہ رسالہ ہے جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ اس کے دس ہزار خریدار ہوں۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم ایک دفعہ بھی اب تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکے۔ ہمارے جلسہ سالانہ پر ہی بیس ہزار آدمی آ جاتے ہیں اور اگر سب دوست اس کی خریداری کی طرف توجہ کریں تو دس ہزار خریدار ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں مگر افسوس ہے کہ ہماری جماعت کو ابھی تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خواہش کو پورا کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ میں سمجھتا ہوں اگر غیر احمدیوں میں اس رسالہ کی کثرت سے اشاعت کی جائے تو دس ہزار خریدار یقیناً میسر آ سکتا

ہے کیونکہ اس رسالہ میں ایسے علمی مضامین شائع ہوتے ہیں جو عام طور پر دوسرے رسالوں کو میسر نہیں آتے۔

انگریزی دان طبقہ کیلئے تو یہ ضروری ہے کہ وہ اس رسالہ کو کثرت سے خریدے لیکن وہ دوست جو انگریزی نہیں جانتے وہ بھی اگر شادی بیاہ کے موقع پر ریویو آف ریلیجنز کی امداد کے لئے کچھ دے دیا کریں تو ان پر کچھ زیادہ بار نہیں ہوسکتا۔ لوگ شادیوں کے موقع پر صدقہ وخیرات کیا کرتے ہیں اور جو لوگ صدقہ وخیرات نہیں کرتے وہ بھی میراثیوں اور ڈوموں میں جب وہ مبارکباد دینے کیلئے آتے ہیں تو کئی روپے تقسیم کر دیتے ہیں۔

ایسے موقعوں پر اگر بجائے میراثیوں اور ڈوموں کو روپیہ دینے کے تین چار انگریزوں یا علم دوست غیر احمدیوں کے نام سال یا چھ چھ ماہ کیلئے رسالہ جاری کرادیا جائے تو جتنے عرصہ تک رسالہ جاری رہے گا اتنا عرصہ تک وہ ثواب حاصل کرتے رہیں گے۔ اگر کسی کو زیادہ توفیق نہ ہو تو وہ تین ماہ کیلئے ہی رسالہ جاری کرادے۔ اگر اس کے تین چار روپوں سے تین چار مہینے مسلسل اسلام کی تعلیم لوگوں کے کانوں تک پہنچتی رہے تو وہ خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ یہ روپیہ خرچ کرنا اس کیلئے کیسا مفید اور بابرکت ہوگا۔ ڈوموں اور میراثیوں کی مدد کرنا تو اخلاقاً اور شرعاً کوئی پسندیدہ بات نہیں کیونکہ ایسا شخص اپنے روپے سے گانے اور ناچنے کو قائم رکھتا ہے لیکن ایسے رسالہ کی مدد کرنا جو ممالکِ غیر میں تبلیغِ اسلام کا کام دے رہا ہو بہت بڑے ثواب کی بات ہے کیونکہ اس طرح خدا تعالیٰ کے دین کو مدد ملتی ہے۔

اسی طرح ''البشریٰ'' ایک نہایت ہی اہم رسالہ ہے اور وہ اس علاقہ سے نکلتا ہے جس کے ہم پر اس قدر عظیم الشان احسانات ہیں کہ اگر ہماری کھال اُدھیڑ کر بھی اس کے کپڑے بنا دیئے جائیں تب بھی ان کے احسانات کا بدلہ ہم نہیں اتار سکتے۔ یہ عربوں کی قربانی ہی تھی کہ جس نے ہمیں اسلام سے روشناس کرایا۔ پس اگر ہم عرب کے لوگوں تک احمدیت پہنچا دیں تو یہ ہمارا اُن پر کوئی احسان نہیں ہوگا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم اپنی تمام جائدادیں عربوں کیلئے وقف کر دیں اور اپنے اموال ان کی خاطر قربان کر دیں تب بھی ان کا احسان نہیں اتر سکتا کیونکہ انہوں نے روحانی انعام سے ہمیں مالا مال کیا اور ہم جو کچھ دیں گے وہ جسمانی ہوگا لیکن اب خدا نے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم ان کو اسی طرح روحانی انعامات سے بہرہ یاب کریں جس طرح انہوں نے ہمیں روحانی انعامات دیئے۔ ان کے باپ دادوں نے ہم کو اسلام دیا تھا اب ہمارا فرض ہے کہ

ہم انہیں احمدیت سکھائیں اور اس طرح اس احسان کا بدلہ دیں جو انہوں نے اسلام کی اشاعت کی صورت میں ہم پر کیا۔

پس خدا نے ہمیں احمدیت دیکر وہ ذریعہ عطا فرمایا ہے جو کسی اور قوم کو حاصل نہیں اور ہمارا فرض ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان میں اشاعتِ احمدیت پر زور دیں اور کم از کم اس رسالہ کی اشاعت کو بکثرت بڑھائیں جو عرب ممالک میں احمدیت کی آواز پہنچانے کیلئے ہماری جماعت کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے۔

اب مَیں تفصیلی طور پر اخبارات کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اخبار ''الفضل'' کو چلانے میں عملہ پر بہت بڑی ذمہ واری عائد ہوتی ہے اور چونکہ وہ صدر انجمن احمدیہ کے ماتحت ہے اس لئے صدر انجمن احمدیہ پر بھی بہت بڑی ذمہ واری عائد ہوتی ہے۔ میں نے متواتر توجہ دلائی ہے کہ آج کل تجارتی زمانہ ہے اور اخبار کو تجارتی لائنوں پر چلانا چاہئے۔ مگر باوجود اس کے کہ میں نے بار بار توجہ دلائی ہے اخبار چلانے کیلئے تجارتی رنگ اختیار نہیں کیا جاتا اور میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ جب تک تجارتی لائن اختیار نہیں کی جائے گی اس وقت تک اخبار والوں کو کامیابی نہیں ہوگی۔ میں نے یورپ کے اخبار نویسوں کو دیکھا ہے۔ ان کو خبریں جمع کرنے کی اتنی حرص ہوتی ہے کہ بسا اوقات جن کا معاملہ ہوتا ہے انہیں اتنی خبر نہیں ہوتی جتنی اخبار والوں کو ہوتی ہے۔ وہ بے شک بعض دفعہ جب ان کی قوم کا فائدہ ہو تو جھوٹ بھی بول لیتے ہیں مگر بِالعموم سچائی سے کام لیتے ہیں اور خبریں جمع کرنے کیلئے انتہائی جدوجہد کرتے ہیں۔

مَیں جب ولایت گیا تو باوجودیکہ ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے پھر بھی ہر اخبار کا نمائندہ ہمارے پاس آتا اور کُرید کُرید کر ہم سے حالات پوچھتا ہم برائٹن گئے تو اس اخبار کے نمائندے ہمارے ساتھ تھے۔ پیرس گئے تو وہاں موجود تھے۔ غرض دن رات ان اخبارات کے ایڈیٹر ہمارے حالات معلوم کرنے کیلئے پھرتے رہتے اور وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہوتے بلکہ وہ ہمارے اخبار کے ایڈیٹروں سے دس دس بیس بیس گنا زیادہ تنخواہ لینے والے ہوتے ہیں۔

اسی طرح الفضل کا بھی کام ہے کہ وہ سلسلہ کی خبریں مہیا کرنے میں زیادہ مستعدی سے کام لے۔ پھر مَیں جو خطبے پڑھتا ہوں اگر ان خطبوں کو ذہانت سے پڑھا جاتا ہو تو ہر شخص جانتا ہوگا کہ ہمیشہ میرا ایک خطبہ لمبا ہوتا ہے اور ایک چھوٹا ہوتا ہے۔ جس طرح باری کا بخار ایک روز زیادہ زور سے چڑھتا ہے اور ایک روز کم ہو جاتا ہے اسی طرح ہمیشہ میرا ایک خطبہ لمبا ہوگا اور ایک چھوٹا۔

اگر پہلے کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تو وہ اب جا کر ''الفضل'' کا فائل کھول کر دیکھ لے۔ ہمیشہ اسے یہی دکھائی دے گا کہ میرا ایک خطبہ لمبا ہے اور ایک چھوٹا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک زودنویس تو میرا خطبہ صحیح طور پر لکھتا ہے اور ایک زودنویس ایسا ہے جو میرے الفاظ چھوڑتا چلا جاتا ہے اور کبھی مکمل خطبہ نہیں لکھتا۔ دوست اگر چاہیں تو اب واپسی پر اپنے گھروں میں جا کر مقابلہ کر لیں ہمیشہ دو خطبوں میں انہیں نمایاں فرق نظر آئے گا اور باقاعدہ ایک خطبہ لمبا ہوگا اور ایک چھوٹا بلکہ بعض دفعہ میں نے دیکھا ہے جس خطبہ پر میں نے دس منٹ کم خرچ کئے ہوتے ہیں وہ لمبا ہوتا ہے اور جس خطبہ پر میں نے زیادہ وقت صرف کیا ہوتا ہے وہ چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک خطبہ نویس ایسا ہے جسے لکھنے کی قابلیت نہیں۔ ہر شخص زودنویس نہیں ہوسکتا ممکن ہے وہ ایڈیٹر ہو مگر زودنویس نہ ہو۔ مگر باوجودیکہ میں سالہا سال سے اس طرف توجہ دلا رہا ہوں کوئی توجہ نہیں کی جاتی اور ہر پانچویں چھٹے خطبہ پر مجھے اس قسم کے نوٹ لکھنے پڑتے ہیں کہ خطبہ یہاں سے حذف ہو گیا ہے، یا یہ بات اپنے پاس سے لکھ دی گئی ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں کہ لازمی طور پر ان کا خریداری پر اثر پڑتا ہے۔ میں نے اپنا تجربہ اس وقت دوستوں کو بتا دیا ہے ممکن ہے باہر کی جماعتوں کو اس کا علم نہ ہو لیکن اگر وہ چاہیں تو اب گزشتہ خطبے نکال کر دیکھ سکتے ہیں۔ بغیر کسی فرق کے برابر ایک خطبہ لمبا ہوگا اور ایک چھوٹا۔ ممکن ہے کوئی ایک خطبہ ایسا بھی نکل آئے جو اس مختصر نویسی کے زمانہ میں مَیں نے خاص طور پر بہت زیادہ لمبا دیا ہو اور وہ چھوٹا دکھائی نہ دے لیکن عام طور پر باقاعدہ میرا ایک خطبہ بڑا ہوتا ہے اور ایک چھوٹا۔ یہی بے توجہی باقی کاموں میں بھی ہے حالانکہ روزانہ اخبار تبھی چل سکتے ہیں جب وہ روزانہ ضرورتوں کو مہیا کریں۔ اسی طرح مضامین کے متعلق میں نے متواتر توجہ دلائی ہے کہ ان میں تنوّع ہونا چاہئے اور سارا اخبار ہی دینی مضامین سے نہیں بھرنا چاہئے مگر اس طرف بھی کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ اگر ہم سارا دن نمازیں نہیں پڑھتے رہتے بلکہ اور بھی بیسیوں کام کرتے ہیں تو سارے اخبار میں دینی مضامین ہی اگر ہوں تو وہ کب لوگوں کیلئے دلچسپی کا موجب بن سکتے ہیں۔ قرآن کریم کو بھی دیکھ لو اس میں صرف خدا اور اس کے رسولوں کا ہی ذکر نہیں بلکہ کہیں پانیوں کا ذکر ہے، کہیں بادلوں کا ذکر ہے، کہیں ہواؤں کا ذکر ہے، کہیں زمین کی حرکتوں کا ذکر ہے، کہیں حیوانات کا ذکر ہے، کہیں لڑائیوں کا ذکر ہے، کہیں سیاسیات کا ذکر ہے غرض مختلف قسم کے اذکار اس میں پائے جاتے ہیں مگر کیا الفضل قرآن سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے کہ اگر وہ علمی اور تاریخی اور اقتصادی اور صنعتی مضامین لکھے تو اس کی زبان صاف

نہیں رہے گی۔ میں نے بارہا توجہ دلائی ہے کہ مضامین میں تنوع پیدا کرو۔ علمی اور تاریخی مضامین لکھو، مختلف عنوانات پر مختصر نوٹ لکھو اس طرح تعلیمی، صنعتی، مذہبی اور اقتصادی مضامین لکھو، مختلف اقوام میں جو رسوم پائی جاتی ہیں ان پر وقتاً فوقتاً روشنی ڈالو، غیر مذاہب کے حالات لکھو، دلچسپ خبریں شائع کرو اور ان کے دَوران میں مذہبی مضامین بھی لکھو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری کونین شکر میں لپٹی ہوئی ہوگی اور ہر کوئی شوق سے اسے کھانے کیلئے تیار رہے گا۔ مگر باوجود اس کے کہ میں نے ایک دو دفعہ نہیں بارہا اس طرف توجہ دلائی ہے اور متواتر توجہ دلائی ہے کبھی میرے توجہ دلانے کے مطابق عمل نہیں ہوتا۔ میں نے یہ توجہ براہِ راست عملہ کو بھی دلائی ہے اور بڑوں کو بھی اس طرف متوجہ کیا ہے مگر ہمیشہ ''مرغ کی ایک ٹانگ والا'' معاملہ رہتا ہے۔ کوئی ہُشت ہی نہیں کرتا کہ اس مرغ کی دوسری ٹانگ نکلے۔ میں تو سمجھا ہی سکتا تھا سو میں نے چھوٹوں کو بھی سمجھا دیا اور بڑوں کو بھی سمجھا دیا۔ میں نے افسروں کو بھی کہا کہ اگر ان تجاویز پر عمل نہیں ہوگا تو ہُشت ہی کردو۔ مگر افسر ہیں کہ انہیں ہُشت کرنا بھی نہیں آتا حالانکہ یہ اخبار یقیناً ایسا دلچسپ بنایا جا سکتا ہے کہ باوجود روزانہ ہونے کے اور باوجود دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کے ہماری دنیوی ضرورتوں کو بھی پورا کرسکتا ہے بلکہ میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ اگر الفضل والے ہمت کریں تو روزانہ خبریں بھی مہیا کر سکتے ہیں مگر اس کے لئے پوری محنت کی ضرورت ہے۔

درحقیقت روزانہ اخبار کا کام بہت بڑا کام ہوتا ہے اور اسے وہی شخص برداشت کرسکتا ہے جو زندگی کی تمام لذتوں کو چھوڑنے کیلئے تیار ہو جائے۔ یورپ کے اخبار والوں کو تو کام کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ انہیں دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے گویا وہ پاگل ہیں۔ میں جب ولایت گیا تو میں نے چاہا کہ ایک مشہور اخبار نویس سے ملوں۔ میں نے اپنے اس ارادہ کا ایک دوست سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ مسٹر میکڈانلڈ[1] وزیراعظم برطانیہ کے ساتھ آپ آسانی سے ملاقات کر سکتے ہیں لیکن اس اخبار نویس سے آپ کا ملاقات کرنا مشکل ہے کیونکہ بعض دفعہ کئی کئی مہینے لوگ اس کی شکل نہیں دیکھتے۔ وہ جسے ہماری پنجابی میں پَچّ مارنا کہتے ہیں وہ اخبار نویس کی حالت ہوتی ہے اور اس کے لئے بہت بڑی محنت اور بہت بڑی عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُسے کسی خبر کے سنتے ہی منٹوں میں یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے اور اس کی نظر کو ایک ایک خبر پر یوں تیرتے چلے جانا چاہئے جیسے بحری جانور سمندر کی لہروں پر اپنا سر اٹھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پچھلے دو تین سال سے الفضل کے مضامین میں کچھ تنوع پایا جاتا ہے مگر اس میں

زیادہ تر کچھ مجلس انصارِ سلطان القلم کا دخل ہے جو میاں بشیر احمد صاحب نے بنائی تھی اور کچھ اس میں میر محمد اسماعیل صاحب کے مضامین کا حصہ ہے۔ چنانچہ چند دن ہوئے مجھے ایک شدید متکبّر عالم کا خط آیا ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ اب ایک دو سال سے یہ اخبار دلچسپ ہو گیا ہے اور اس کے مضامین میں کسی حد تک تنوع پیدا ہو گیا ہے۔ مگر پھر بھی جس حد تک اسے بڑھایا جا سکتا اور اس کے ذریعہ اپنی جماعت کو دوسرے اخبارات سے مستغنی کیا جا سکتا ہے وہ بات ابھی اس میں پیدا نہیں ہوئی۔ اشتہارات کے متعلق بھی میں دیکھتا ہوں کہ پوری توجہ نہیں کی جاتی حالانکہ اس سے بھی اخبار کو بہت کچھ مدد ملتی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ صحیح ذریعہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ دنیا کی ہر اخبار کو اچھے اشتہار مل جاتے ہیں مگر ہمارے الفضل میں سوائے مخصوص امراض کی دوائیوں کے اور کوئی اشتہار ہی نہیں ہوتا گویا تمام لوگ دنیا میں اب انہی بیماریوں کے ہی مریض ہیں۔ میں تو اس سے اتنا تنگ آ گیا ہوں کہ اب میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ ایسا کوئی اشتہار اخبار میں چَھپنے نہیں دوں گا۔ چنانچہ آج میں اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ کیلئے ہمارے اخبار میں اس قسم کا کوئی اشتہار نہیں نکلنا چاہئے۔ دنیا میں بیماریوں کی کمی نہیں، کئی ایسی بیماریاں ہیں جو نہایت خطرناک ہوتی ہیں اگر ان بیماریوں کے متعلق اپنی مجرب دوائی لوگوں کے سامنے پیش کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس قسم کی مخصوص بیماریوں کے متعلق ہی کوئی اشتہار دینا ہو تو یہ لکھا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں ہر قسم کی دوائیں تیار ہیں ضرورت مند فہرست منگوا کر دیکھ لیں۔ یورپین اخبارات میں بھی یہی طریق ہوتا ہے۔ وہ صرف اتنا لکھ دیتے ہیں کہ ہمارے ہاں بعض چیزیں دایہ گری وغیرہ کے متعلق ہیں جو لوگ تفصیل معلوم کرنا چاہیں وہ خط لکھ کر ہم سے فہرست منگوا لیں۔ پھر جب انہیں کوئی خط لکھتا ہے تو وہ فہرست بھیج دیتے ہیں۔ اسی رنگ میں ہمارے اخبار میں بھی اس قسم کے اشتہارات شائع ہونے چاہئیں اور انہیں صرف یہ لکھ دینا چاہئے کہ ہمارے ہاں ہر قسم کی ادویات موجود ہیں دوستوں کو چاہئے کہ وہ ہم سے فہرست منگوا لیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ ایسی دوائیاں ہمیشہ ہسٹیریا والے منگوایا کرتے ہیں اور ان کے لئے کسی لمبے چوڑے اشتہار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف اتنا لکھنا ہی ان کیلئے کافی ہوتا ہے کہ ایک مسیحا پیدا ہو گیا ہے اس سے دوائی منگوا کر تجربہ کرو۔ ایسے لوگوں کو سچے مسیح کا ماننا تو مشکل نظر آتا ہے لیکن اگر انہیں کہہ دیا جائے کہ فلاں مسیحائے وقت ہے جس کی دوائیں بڑی زود اثر ہیں تو وہ فوراً اس کی طرف خط لکھ دیں گے۔ پس اس قسم کا مزاج رکھنے والوں کیلئے کسی اشتہار کی ضرورت نہیں ایک اشارہ ہی کافی

ہے وہ فوراً فہرست منگوالیں گے اور مشتہرین کی ادویات بِک جائیں گی لیکن میں نہیں سمجھتا دنیا میں یہی ایک مرض رہ گیا ہے جس کے علاج کی لوگوں کو ضرورت ہے۔ بہتیرے ایسے امراض ہیں جن میں اکثر لوگ مبتلا رہتے ہیں اور جن کے صحیح علاج کے وہ واقعی محتاج ہوتے ہیں مگر صحیح علاج انہیں میسر نہیں آتا۔ ہمارے ملک میں کھانسی کی عام شکایت پائی جاتی ہے، اسی طرح سِل دِق ایک عام مرض ہے جو ہندوستان میں پایا جاتا ہے، اسی طرح انتڑیوں کے کئی امراض ہیں جن میں لوگ مبتلا رہتے ہیں، بواسیر ایک ایسا مرض ہے جس کے کثرت سے مریض ہمارے ملک میں پائے جاتے ہیں بلکہ میں نے ڈاکٹروں سے سنا ہے وہ کہتے ہیں ہندوستان میں ساٹھ فیصدی بواسیر کے مریض ہیں۔ اسی طرح کثرت سے مرض پیچش کے مریض ہمارے ہاں نظر آتے ہیں۔ چونکہ گھی لوگوں کو کم ملتا ہے اس لئے ان کی انتڑیوں میں چکنائی نہیں رہتی جس کی وجہ سے انتڑیوں میں مستقل طور پر خراش پیدا ہو جاتی ہے اور پیچش کا مرض مزمن صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ کام کی کثرت کی وجہ سے امراض مزمن ہو جاتی ہیں اور بعض دفعہ سُستی اور غفلت کی وجہ سے یعنی یا تو ایسا ہوتا ہے کہ بیماری محسوس بھی ہوتی ہے مگر چونکہ کام کی کثرت ہوتی ہے اس لئے انسان بیماری کی طرف توجہ نہیں کرتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیماری جڑ پکڑ جاتی ہے اور یا پھر سُستی کی وجہ سے انسان مرض کو بڑھا لیتا ہے۔ تیماردار سرہانے بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے دوائی پی لو مگر مریض ہے کہ دوائی پینے کا نام ہی نہیں لیتا بہرحال کسی نہ کسی وجہ سے امراض مزمن ہو جاتی ہیں۔ اگر ایسی امراض کے مجرّب علاج دنیا کو بتلائے جائیں تو یقیناً اس میں لوگوں کا فائدہ ہے۔ اسی طرح دانتوں کی کئی بیماریاں ہیں، جگر کی کئی بیماریاں ہیں، طحال کی کئی بیماریاں ہیں ان امراض کے اگر مجرّب نسخے شائع کئے جائیں اور کسی مفید دوائی کا اشتہار بھی دے دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہوتا۔ اسی طرح صنعت و حرفت کی کئی چیزیں ہیں جن کے اشتہارات الفضل میں شائع ہو سکتے ہیں مگر وہ چیزیں جن کا اشتہار لوگوں کیلئے مفید ہو سکتا ہے اس طرف تو توجہ نہیں کی جاتی اور مخصوص امراض کی دوائیوں کے اشتہارات دھڑا دھڑ شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح عدالتوں کے اشتہارات بھی مل سکتے ہیں بشرطیکہ یہ لوگ وہ طریق اختیار کریں جو اخبار نویس اختیار کیا کرتے ہیں۔

ہمارا مقابلہ اس وقت کسی ایک قوم یا ایک مُلک سے نہیں بلکہ ساری دنیا سے ہے اس لئے ہمیں ہمیشہ یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ عیسائی کیا کر رہے ہیں، یہودی کیا کر رہے ہیں اور کس رنگ میں وہ

اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں تا جماعت ان مفاسد کی اصلاح کرتی رہے جو ان کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر اس کے لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ روزانہ اخبارات کا مطالعہ کیا جائے اور ان میں سے ایسی خبریں نکال کر جلد سے جلد جماعت کے سامنے رکھی جائیں تا جماعت کو اپنے فرائض کا احساس رہے۔ اگر الفضل والے ان ہدایات کے مطابق کام کریں اور محنت اور توجہ سے کام لیں تو نہ صرف اخبار دلچسپ ہو جائے گا بلکہ جماعت کے دوستوں میں بھی مسابقت کی روح پیدا ہو جائے اور وہ کوشش کرتے رہیں کہ دوسری قوموں سے بڑھ کر رہیں۔ پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ سلسلہ کے اخبارات خریدیں اور کوشش کریں کہ ان کا مذاق علمی ہو جائے۔ میں نے دیکھا ہے جو لوگ سلسلہ کے اخبارات نہیں خریدتے ان کے بچے احمدیت کی تعلیم سے بالکل ناواقف رہتے ہیں۔ پس دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اخبارات اور رسالے ضرور خریدیں بلکہ جو اَن پڑھ ہیں وہ بھی لیں اور کسی پڑھے لکھے سے روزانہ تھوڑا تھوڑا سنتے رہا کریں تا کہ ان کی علمی ترقی ہو اور سلسلہ کے حالات سے وہ باخبر رہیں۔ (الفضل ۱۶ رنومبر ۱۹۶۰ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب دنیا میں آئے اور آپ نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح موعود ہوں تو درحقیقت آپ کوئی نئی چیز نہیں لائے تھے۔ یعنی جماعت احمدیہ کے جو بانی ہیں ان کا یہ دعویٰ نہیں کہ وہ کوئی نیا مذہب لائے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ لوگ قرآن کو بھول چکے تھے اور قرآن بھولنے کی وجہ سے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دلوں میں سرد ہو چکی تھی، اسلام کی خدمت کا ان کے دلوں میں کوئی جوش باقی نہیں رہا تھا اور ان کی حالتیں اتنی بدل گئی تھیں کہ وہ دین پر عمل کرنے سے گریز کرتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے ان روحانی امراض کا علاج کرنے کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں اور فرمانبرداروں میں سے ایک شخص کو چنا اور اسے کہا کہ ہم تمہیں اسلام کی خدمت کیلئے کھڑا کرتے ہیں تم جاؤ اور لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل کرو۔ یہ دعویٰ تھا جو آپ نے کیا اور یہ کام تھا جس کے لئے آپ مبعوث ہوئے۔ جب آپ نے لوگوں کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیا اور کہا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کیلئے بھیجا ہے اور میرا نام خدا تعالیٰ نے مسیح موعود رکھا ہے تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ مسیح تو آسمان پر بیٹھا ہے اور وہی دوبارہ دنیا کی اصلاح کے لئے آئے گا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں ابن مریم نازل ہوگا اور وہ حَکَم عَدَل ہوگا اور اس ابن مریم سے وہی ابن مریم مراد ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

سے چھ سَو سال پہلے دنیا میں آیا ہے۔ پس جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق مسیح ابن مریم نے ہی آسمان سے نازل ہونا اور اسی نے اصلاحِ خَلق کا کام کرنا ہے تو تم جو پنجاب میں رہتے ہو اور پنجاب کی ایک بستی قادیان میں پیدا ہوئے ہو کس طرح مسیح موعود ہو سکتے ہو اور جب تم کہتے ہو کہ تم مسیح موعود ہو تو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے۔ یا تو تم پاگل ہو اور یا لوگوں کو جان بوجھ کر دھوکا اور فریب دیتے ہو۔ یہ اعتراض تھا جو لوگوں نے آپ کے دعویٰ پر کیا۔ آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ ہوتا تو بے شک تمہارے دلوں میں یہ وسوسہ اُٹھ سکتا تھا کہ جب اس نے دنیا میں ابھی آنا ہے تو اس کی جگہ کوئی اور شخص کس طرح کھڑا ہو گیا ہے یا اگر مسیح ابن مریم کے آنے میں رسول کریم ﷺ کی عزت ہوتی اور مسیح کی بھی عزت ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ خدا نے اور رسولوں کی عزت دنیا پر ظاہر کرنے کیلئے مسیح ابن مریم کو ہی دوبارہ بھیج دیا۔ مگر حق بات یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں۔

چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے بتایا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکے ہیں اور ان کی وفات قرآن کریم سے ثابت ہے۔ پس ان کے وفات پا جانے کی وجہ سے اب ان کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی وہ دوبارہ اس دنیا میں آ سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس کی ایک موٹی دلیل یہ دی کہ سورہ مائدہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن مَیں مسیح ابن مریم سے دریافت کروں گا کہ تجھ کو اور تیری ماں کو جو دنیا میں خدا بنایا گیا ہے تو کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا مانو اور ہماری پرستش کرو۔ آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بعض ایسے فرقے بھی تھے جو حضرت مریم صدیقہ کی خدائی کے قائل تھے اور عملاً تو رومن کیتھولک والے اب بھی حضرت مریم کی تصویر کے آگے سجدہ کرتے اور ان سے دعائیں کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم قیامت کے دن پوچھیں گے کہ کیا تم نے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بناؤ۔ اس کا حضرت مسیح علیہ السلام یہ جواب دیں گے کہ الٰہی یہ بات بالکل غلط ہے۔ جب تک میں ان لوگوں کے درمیان زندہ رہا اس وقت تک تو وہ توحید کے ہی قائل رہے تھے اور انہوں نے ہرگز شرک کا عقیدہ اختیار نہیں کیا تھا مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر میرا لوگوں سے کیا واسطہ رہا پھر تو ہی ان کا نگران تھا‘ مجھے تو کچھ علم نہیں کہ انہوں نے میرے بعد کیا کیا۔ یہ جواب ہے جو قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کو دیں گے اور قرآن مجید میں لکھا ہؤا ہے حضرت مرزا صاحب نے اس سے

استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو قیامت کے دن حضرت مسیح جو یہ جواب دیں گے تو یہ سچا جواب ہوگا یا جھوٹا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا نبی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا لیکن تمہارے عقیدہ کے مطابق اگر وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو لازماً وہ اپنی قوم کے حالات سے بھی واقف ہو جائیں گے کیونکہ تمہارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح آکر صلیبوں کو توڑیں گے، خنزیروں کو قتل کریں گے اور عیسائیوں کو مجبور کر کے مسلمان بنائیں گے جس سے ظاہر ہے کہ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ عیسائی ان کی خدائی کے قائل ہیں اب کس طرح ممکن ہے کہ دنیا میں تو آکر وہ تمام حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ جائیں اور ان کی اصلاح بھی کریں مگر خدا کو یہ جواب دیدیں کہ خدایا مجھے تو کچھ معلوم نہیں کہ لوگ کیا کرتے رہے ہیں۔ کیا خدا انہیں نہیں کہے گا کہ بندۂ خدا تُو تو چالیس سال دوبارہ دنیا میں رہا۔ تو نے خنزیر قتل کئے، تو نے صلیبیں توڑیں، تو نے زبردستی ان لوگوں کو مسلمان بنایا مگر آج کہہ رہا ہے کہ مجھے کچھ علم نہیں کہ لوگ میرے بعد کیا کرتے رہے۔ اور اگر وہ دوبارہ دنیا میں آکر رہیں اور خدا ان سے وہی سوال کرے جو قرآن میں مذکور ہے تو بجائے وہ جواب دینے کے جس کا قرآن کریم میں ذکر آتا ہے وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خدایا! یہ سوال عجیب ہے آپ نے تو خود مجھے دنیا میں بھیجا۔ میں نے وہاں جا کر سؤر مارے، صلیبیں توڑیں، شرک اور کفر کا استیصال کیا مگر آج بجائے اس کے کہ آپ مجھے انعام دیتے اُلٹا ناراض ہو رہے ہیں۔ گویا وہی مثال ہوتی کہ ''نیکی برباد گناہ لازم''

میں نے تو دنیا میں اتنی مصیبت اُٹھائی کہ دن رات ایک کر کے سؤر مارتا رہا، صلیبیں توڑتا رہا، عیسائیوں کو مسلمان بناتا رہا اور آج بجائے کوئی انعام دینے کے مجھے ڈانٹا جا رہا ہے کہ کیا تو نے یہ شرک کی تعلیم دی تھی؟ مگر وہ ان جوابوں میں سے کوئی جواب بھی نہیں دیتے۔ وہ اگر کہتے ہیں تو یہ کہ مجھے ان کے گمراہ ہونے کا کوئی پتہ نہیں۔ وہ اگر گمراہ ہوئے ہیں تو میرے بعد ہوئے ہیں، میری موجودگی میں نہیں ہوئے۔ چنانچہ قرآن کریم میں صاف الفاظ آتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد جو کچھ ہؤا ہے ہؤا ہے میری زندگی میں نہیں ہؤا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں یا نہیں؟ یہ ایک ایسی موٹی بات ہے کہ کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ہر عیسائی سے پوچھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے وہ یہی کہے گا کہ حضرت مسیح خدا تھے۔ اب اگر قرآن شریف خدا تعالیٰ کی کتاب ہے، اگر سورۃ مائدہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی رسول کریم ﷺ پر نازل ہوئی تھی تو وہ تو یہ کہہ رہی ہے کہ قیامت کے دن حضرت مسیح یہ کہیں گے کہ جو کچھ ہؤا

میری موت کے بعد ہؤا زندگی میں نہیں ہؤا۔ اب دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے۔ یا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک نہیں مرے اور نہ عیسائی بگڑے ہیں اور یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعہ میں فوت ہو چکے ہیں اور عیسائیوں کے عقائد میں بگاڑ ان کی وفات کے بعد ہؤا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اس بات کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ان دو باتوں میں سے ایک بات کا فیصلہ کرو۔ تم یہ بتاؤ کہ عیسائی بگڑے ہیں یا نہیں اگر عیسائی نہیں بگڑے اور وہ حق پر ہیں تو تمہارا بھی فرض ہے کہ تم عیسائی ہو جاؤ کیونکہ وہ تو بقول تمہارے راہِ راست پر قائم ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی صورت میں زندہ ہو سکتے ہیں جب عیسائی بگڑے نہ ہوں۔ پس مسلمان اب فیصلہ کر لیں کہ عیسائی بگڑے ہوئے ہیں یا نہیں اگر وہ بگڑے ہوئے نہیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خود بھی عیسائی ہو جائیں اور اگر وہ بگڑے ہوئے ہیں اور اگر یہ دکھائی دے رہا ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں تو لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں کیونکہ قرآن یہی کہتا ہے کہ عیسائیوں میں یہ خیال کہ حضرت مسیح اور مریم صدیقہ خدا ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد پیدا ہؤا ان کی زندگی میں پیدا نہیں ہؤا۔ گویا وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ کو زندہ سمجھتے ہیں' انہیں ماننا پڑے گا کہ عیسائی حق پر ہیں اور انہیں اسلام سے مرتد ہونا پڑے گا پس ایک مسلمان کیلئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ یا تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات شدہ مانے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دے اور عیسائی ہو جائے کیونکہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو عیسائی بگڑ ہی نہیں سکتے ان کا بگڑنا حضرت مسیح کی موت کے بعد مقدر ہے۔ یہ ایسی موٹی بات ہے کہ اس میں کسی لمبے چوڑے جھگڑے کی ضرورت ہی نہیں۔ سیدھی سادی بات ہے کہ حضرت مسیح کہتے ہیں اے خدا! جب تو نے مجھے وفات دے دی تو اس کے بعد عیسائی بگڑے ہیں پہلے نہیں۔ اب اگر عیسائی بگڑ چکے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور اگر عیسائی نہیں بگڑے تو بے شک کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں مگر اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ کے پسندیدہ بندے مسلمان نہیں بلکہ عیسائی ہیں۔

پھر یہ جو بات تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے میں رسول کریم ﷺ کی عزت ہے یا ذلّت۔ اس نقطہ نگاہ سے بھی اگر غور کیا جائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہے بلکہ رسول کریم ﷺ کی عزت کا سوال ہی نہیں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے سے خدا تعالیٰ کی عزت ہو تب بھی ہم ان کے دوبارہ آنے کو تسلیم کر سکتے ہیں کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ خدا

کی عزت دنیا میں قائم ہو لیکن اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا عقیدہ تسلیم کرنے میں نہ صرف رسول کریم ﷺ کی اہانت ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی بھی ذلت ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس عقیدہ سے بڑھ کر خطرناک اور کوئی عقیدہ نہیں ہوسکتا۔ اگر خدا تعالیٰ کی عزت کا سوال لو تو سیدھی بات ہے کہ اس عقیدہ کی رُو سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ۱۹سَو سال سے خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو سنبھال کر رکھا ہؤا ہے کہ کہیں وہ ضائع نہ ہو جائے اور اصلاحِ خَلق کا کام رُک نہ جائے گویا جس طرح غریب آدمی اپنی چیزوں کو سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے اسی طرح خدا نے بھی اپنی اس چیز کو خوب حفاظت سے رکھا ہؤا ہے۔ آخر امیر اور غریب میں کیا فرق ہوتا ہے یہی فرق ہوتا ہے کہ غریب آدمی اگر صبح کی دال بچ جائے تو بیوی سے کہتا ہے اسے سنبھال کر رکھ دینا رات کو کام آئے گی۔ یا سردیوں میں اگر اسے کوئی گرم کپڑا ملتا ہے تو سردیاں ختم ہونے پر نہایت حفاظت سے گٹھڑی باندھ کر رکھ دیتا ہے یا صندوقوں میں حفاظت سے اسے بند کرتا ہے کہ اگلی سردیوں میں وہ کپڑے کام آئیں۔ روٹیاں بچ جاتی ہیں تو وہ رکھ لیتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں امیر آدمی کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ چند دن کپڑا پہنتا ہے اور پھر یہ خیال کر کے کہ خدا نے چند دن نیا کپڑا پہننے کی توفیق دے دی ہے اب غریبوں کا بھی کچھ حق ہے وہ اس کپڑے کو اٹھاتا اور کسی غریب کو دیدیتا ہے۔ کھانا پکتا ہے تو جتنا کھانا آسانی سے کھایا جا سکے وہ کھالیتا ہے اور باقی نوکروں کو دیدیتا ہے۔ یا ان کی بیگمات اِردگرد کے غریبوں میں تقسیم کر دیتی ہیں۔ وہ ان کپڑوں یا اس کھانے کو سنبھال کر نہیں رکھتے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جب ضرورت ہوگی ہم نئی چیز تیار کر لیں گے مگر اللہ تعالیٰ جو قادر ہے اور جس کی قدرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جب بھی دین کیلئے کسی نئی چیز کی ضرورت ہو وہ اپنی قدرت سے اس نئی چیز کو مہیا کر دے۔ اس کے متعلق مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس نے انیس سَو سال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سنبھال کر آسمان پر زندہ رکھا ہؤا ہے محض اس لئے کہ امتِ محمدیہ کو جب آخری زمانہ میں دینی لحاظ سے نقصان پہنچا تو میں اس کے ازالہ کیلئے اسے آسمان سے نازل کروں گا۔ گویا وہی کنگالوں والی بات ہوئی جو صبح کی دال بچا کر شام کے لئے رکھ لیتے ہیں۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کون سے کارنامے سرانجام دیئے تھے کہ آخری زمانہ میں بھی انہی کا بھیجا جانا خدا کو پسند آیا۔ انہوں نے دنیا میں یہی کام کیا کہ چند روز لوگوں کو تبلیغ کی اور جب یہود نے صلیب پر لٹکانا چاہا تو آسمان پر چلے گئے۔ اس میں انہوں نے کونسی ایسی کامیابی حاصل کی تھی کہ آخری زمانہ میں بھی ان کا نزول ضروری تھا۔ جو شخص آسمان پر چلا گیا اس نے

بالفاظِ دیگر دنیا کو پیٹھ دکھا دی۔ اب وہ شخص جو دنیا کو پیٹھ دکھا چکا ہے اور جس نے اپنے زمانہ کا کام بھی پورا نہیں کیا وہ رسول کریم ﷺ کی امت کا کیا کام کرے گا اور کس کامیابی کی اس سے توقع رکھی جا سکتی ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی شدید ہتک ہے اور اس عقیدہ کو تسلیم کرنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بہت بڑا حرف آتا ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خدا قادر نہیں اور ضرورت پر وہ امتِ محمدیہ میں سے کسی نئے آدمی کو تیار نہیں کر سکتا۔

پھر نہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اس سے حرف آتا ہے بلکہ اس کے علم پر بھی حرف آتا ہے کہ وہ شخص جو میدانِ مقابلہ میں بالکل کام ہی نہ کر سکا اسی کے سپرد امتِ محمدیہ کی اصلاح کا کام اس نے کر دیا۔ مگر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تو اللہ تعالیٰ کا یہ سلوک ہوا اور ادھر رسول کریم ﷺ سے یہ سلوک ہو کہ آپ پر خطرناک سے خطرناک مواقع آئے مگر ایک دفعہ بھی خدا تعالیٰ نے آپؐ کو آسمان پر نہ اُٹھایا۔

حنین کی جنگ میں جبکہ چار ہزار مشاق تیرانداز آپ پر تیروں کی بارش برسا رہا تھا اور رسول کریم ﷺ کے گرد صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے اس وقت صحابہؓ آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں یا رسول اللہ! یہاں کھڑے رہنے کا موقع نہیں، آپ کی زندگی کے ساتھ اسلام کی زندگی وابستہ ہے، آپ کسی محفوظ مقام میں چلیں جب دشمن کے حملہ کا زور ٹوٹ جائے گا تو ہم پھر اسلامی لشکر کو جمع کر کے اس پر حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ اسی جوش میں آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لیتے ہیں مگر رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں چھوڑ دو میرے گھوڑے کی باگ کو اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب [۲] میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔ خدا اس نبی کو تو موت دے دے اور اسے وفات دے کر مٹی میں دفن ہونے دے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی صلیب پر بھی نہ چڑھے ہوں کہ خدا آپ کو بچانے کیلئے آسمان پر اٹھا لے۔ اس عقیدہ کو کوئی باغیرت مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی نبی زندہ رکھنے کے قابل تھا تو وہ حضرت رسول کریم ﷺ ہی تھے مگر ان کو تو خدا تعالیٰ بچاتا نہیں اور وہ جان دینے کیلئے بھی تیار ہو جاتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جَھٹ بچا لیتا اور آسمان پر اٹھا لیتا ہے۔ پھر یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابتلاء کیا آیا اور اگر آیا تھا تو انہیں چاہئے تھا کہ اسے برداشت کرتے مگر بجائے اس کے کہ وہ خوشی کے ساتھ اس ابتلاء کو برداشت کرتے جَھٹ دعا کرنے لگ گئے۔ حتّٰی کہ بائیبل میں لکھا ہے انہوں نے ساری رات دعا کرنے میں گذار دی اور وہ بار بار اپنے حواریوں کو جگاتے اور کہتے کہ دعا کیوں نہیں کرتے کہ یہ

پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ پس وہ جس نے کہا تھا کہ یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹل جائے اسے تو خدا آسمان پر اُٹھالیتا ہے مگر وہ جس نے کہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو میں اکیلا دشمن کا مقابلہ کروں گا' اسے خدا نے وفات دے دی۔ گویا جس نے مردانہ وار کام کیا تھا اسے تو پنشن دیدی۔ اور جو میدانِ جنگ سے پیٹھ موڑ کر گھر آ گیا تھا اسے ایکس ٹینشن (EXTENSION) دے دی۔

اب دیکھ لو کہ اس عقیدہ کو تسلیم کرنے میں نہ خدا کی عزت ہے اور نہ رسول کریم ﷺ کی عزت۔ پھر یہ عقیدہ رکھنے میں حضرت مسیح کی بھی تو کوئی عزت نہیں۔ ہمارے نزدیک تو حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے بچ گئے تھے مگر دوسرے مسلمانوں کے نزدیک آسمان پر بھاگ گئے تھے۔ اور یہی ایک نبی کی سب سے بڑی توہین ہے کہ جو کام اس کے سپرد تھا وہ تو اُس نے نہ کیا اور آسمان پر جا بیٹھا۔ پھر خدا نے تو حضرت مسیح کو نبی قرار دیا ہے مگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ آخری زمانہ میں جب وہ نازل ہوں گے تو نبی نہیں ہوں گے بلکہ اُمتی ہوں گے گویا جسے خدا نے مستقل نبی قرار دیا تھا اسے وہ تابع نبی بنا دیتے ہیں اور اس طرح اس کی ہتک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر تو یہ کہا جاتا کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میدان چھوڑ کر چلے گئے تھے اس لئے اس کی سزا میں انہیں امتی بنا دیا جائے گا تو گو پھر بھی ایک نبی کی تذلیل ہوتی مگر یہ بات کسی حد تک معقول قرار دی جا سکتی تھی۔ لیکن بغیر کوئی قصور بتائے مولویوں کی طرف سے یہ مسئلہ پیش کیا جاتا ہے کہ خدا انہیں مستقل نبی کی بجائے تابع بنی بنا دے گا اور اس طرح وہ اپنے عمل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ہتک کرتے ہیں۔ پھر یہ لوگ اتنا نہیں سوچتے کہ جو شخص بنی اسرائیل میں ایک چھوٹے سے فتنہ کا مقابلہ نہ کر سکا وہ امتِ محمدیہ میں آ کر اس دجالی فتنے کا کس طرح مقابلہ کر سکتا ہے جس فتنہ سے بڑا فتنہ آج تک دنیا میں کوئی ہؤا ہی نہیں۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر سمجھا جائے تو اس میں خدا کی بھی ہتک ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ہتک ہے اور رسول کریم ﷺ کی بھی ہتک ہے۔ میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی کے گھر کا دیا بجھ جائے تو وہ کسی اور کے گھر سے دیا سلائی مانگنے جاتا ہے تا کہ اپنے لیمپ کو روشن کرے۔ وہ امیر لوگ جن کے گھروں میں بجلی کے لیمپ ہوتے ہیں وہ شاید اس امر کو نہ سمجھ سکیں لیکن غرباء اس کو خوب سمجھ سکتے ہیں کہ جب ان کے گھر کا لیمپ بُجھ جاتا ہے اور دیا سلائی ان کے پاس نہیں ہوتی تو وہ اپنے کسی ہمسائے یا قریبی کے ہاں جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذرا دیا سلائی دینا میں اپنا لیمپ جلا لوں۔ یا ان کے گھر میں لیمپ جَل رہا ہو تو اس کی بتّی سے اپنے لیمپ کی بتی کو روشن کر لیتے

ہیں۔اس مثال کو اپنے سامنے رکھو اور پھر دیکھو کہ مسلمانوں کے اس عقیدہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک زمانہ میں اسلام کا چراغ بُجھ جائے گا اور اس بات کی ضرورت ہوگی کہ اس کو روشن کیا جائے۔محمد رسول اللہ اپنے اردگرد نظر دوڑائیں گے مگر مسلمانوں میں انہیں کہیں روشنی نظر نہیں آئے گی صرف یہودیوں کے گھر میں ایک لیمپ چل رہا ہوگا جسے دیکھ کر محمد رسول اللہ ﷺ ان یہودیوں کے گھر جائیں گے اور اس لیمپ سے اسلام کے بجھے ہوئے چراغ کو روشن کریں گے۔بتاؤ کیا اس میں رسول کریم ﷺ کی ہتک ہے یا آپؐ کی عزت؟

غرض حیاتِ مسیح کا عقیدہ ایسا خطرناک ہے کہ خدا کی اس میں عزت نہیں، رسول کریم کی اس میں عزت نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس میں عزت نہیں صرف مولویوں کی عزت ہے مگر خدا اور اس کے رسولوں کے مقابلہ میں ان مولویوں کی عزت کی کیا حقیقت ہے کہ کوئی باغیرت مسلمان اس کا خیال رکھ سکے۔مگر ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دے دی اور اب اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کیلئے انہیں ہی اُمتی بنا کر نہیں بھیجا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کے متبعین میں سے ایک شخص کو اصلاحِ خَلق کیلئے کھڑا کر دے گا، وہ آپ کے نور میں سے نور لے گا اور آپ کی معرفت میں سے معرفت اور اس طرح وہ آپ کا غلام اور خادم بن کر لوگوں کو پھر اسلام پر قائم کرے گا اور آپ کسی موسوی نبی کے شرمندہ احسان نہیں ہوں گا۔یہ چند موٹی موٹی باتیں ہیں جن سے یہ مسئلہ آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا ہے۔باقی رہا نبوت کا مسئلہ سو اِس کے متعلق بھی مخالف علماء لوگوں کو سخت مغالطہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شرک فی النبوۃ ہے۔ان کا مفہوم اس اصطلاح سے یہ ہوتا ہے کہ گویا ہم نے حضرت مرزا صاحب کو نبوت میں رسول کریم ﷺ کا شریک بنا لیا ہے حالانکہ یہ بھی درست نہیں کیونکہ نبوت کو جس رنگ میں وہ پیش کرتے ہیں اس رنگ میں ہم اسے مانتے ہی نہیں۔وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی نبوت کے مدّعی ہیں جس سے رسول کریم ﷺ کی ہتک ہوتی ہے اس لئے وہ آپ کی نبوت کو شرک فی النبوۃ قرار دیتے ہیں اور چونکہ شرک کا لفظ ایک مسلمان کیلئے ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بیل کیلئے سُرخ چیتھڑا، اس لئے شرک فی النبوۃ کے الفاظ سنتے ہی مسلمان کہنے لگ جاتے ہیں کہ دیکھو کتنا بڑا اندھیرا ہے کہ احمدی شرک فی النبوۃ کرتے ہیں۔حالانکہ جو لوگ اسے شرک قرار دیتے ہیں وہ شرک کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔شرک ایک تو ظاہری رنگ میں ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی انسان کو یا کسی اور چیز کو

سجدہ کر دینا یہ تو ہر صورت میں منع ہے لیکن باطنی شرک ہمیشہ نسبتی ہوتا ہے۔ اگر جتنی محبت تم خدا سے کرتے ہو اتنی ہی محبت تم کسی نبی سے کرتے ہو تو تم مشرک ہو۔ لیکن اگر محبتوں کے نمبر ہوں۔ کوئی روپیہ جتنی محبت ہو، کوئی اَٹھنی جتنی محبت ہو، کوئی چونی جتنی محبت ہو، کوئی دونی جتنی محبت ہو اور کوئی کوڑی جتنی محبت ہو تو اس صورت میں شرک کی تعریف بالکل بدل جائے گی۔ اگر خدا کی محبت تمہارے دل میں دو آنے کے برابر ہے اور تم دو یا اڑھائی آنہ محبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یا کسی اور نبی سے کرتے ہو تو یہ شرک ہوگا لیکن اگر یہ محبت ڈیڑھ آنہ کے برابر ہے تو یہ شرک نہیں ہو گا۔ اس کے مقابلہ میں اگر کسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اڑھائی آنے کے برابر محبت ہے اور خدا سے اسے ایک روپیہ کے برابر محبت ہے تو باوجود اس کے کہ یہ محبت پہلے شخص کی محبت سے زیادہ ہوگی پھر بھی یہ شرک نہیں کہلائے گی۔ کیونکہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت اس کے دل میں پہلے شخص سے زیادہ ہے تو خدا کی محبت اس سے بھی زیادہ ہے۔ شرک تب ہوتا جب دونوں محبتیں ایک مقام پر ہوتیں۔ مگر جب دونوں ایک مقام پر نہیں تو شرک کس طرح ہو گیا۔ اب یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان رسول کریم ﷺ سے جو محبت رکھتے ہیں اس کی کسی اور نبی کے ماننے والوں میں نظیر نہیں مل سکتی۔ اور جو سچے مؤمن ہوں ان کا دل تو اللہ تعالیٰ اتنا وسیع بنا دیتا ہے کہ ان کی محبت زمین وآسمان پر حاوی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک موٹی بات دیکھ لو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جب ایک ابتلاء کا وقت آیا تو ان کے تمام حواری بھاگ گئے بلکہ ایک نے تو آپ پر لعنت ڈالی اور کہا کہ میں نہیں جانتا مسیح کون ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ پر کوئی تکلیف کا وقت نہیں آیا جب کہ صحابہؓ نے اپنے خون نہ بہا دیئے ہوں۔ بدر کی جنگ کا جب وقت آیا تو رسول کریم ﷺ نے تمام مہاجرین اور انصار کو اکٹھا کیا اور فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ اس کی ضرورت یہ پیش آئی کہ جب رسول کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو انصار نے آپ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ اگر مدینہ میں آ کر کوئی دشمن حملہ کرے گا تو ہم آپ کی مدد کریں گے لیکن اگر باہر جا کر کسی دشمن سے مقابلہ کرنا پڑا تو ہم اس بات کے پابند نہیں ہوں گے کہ آپ کی ضرور مدد کریں۔ اس موقع پر چونکہ ایک ایسی جنگ تھی جس میں مدینہ سے باہر دشمن کا مقابلہ ہونا تھا اس لئے آپ نے سمجھا کہ ممکن ہے انصار کا اس موقع پر اس معاہدہ کی طرف خیال چلا جائے۔ پس آپ نے ان کا ارادہ معلوم کرنے کیلئے فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو اس پر مہاجرین ایک ایک کر کے کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مشورہ کیا؟ آپ چلیں اور جنگ

کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر جب بھی کوئی مہاجر بیٹھ جاتا رسول کریم ﷺ پھر فرماتے۔ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ انصار اس وقت تک خاموش تھے کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ اگر ہم نے کہہ دیا کہ ضرور لڑنا چاہئے تو مہاجرین کہیں یہ خیال نہ کریں کہ یہ لوگ ہمارے بھائیوں اور رشتے داروں کو مروانا چاہتے ہیں۔ پس وہ اس وقت تک خاموش رہے مگر جب رسول کریم ﷺ نے بار بار فرمایا کہ لوگو مشورہ دو تو ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! شاید آپؐ کی مراد ہم سے ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ شاید آپ کی مراد معاہدہ سے ہے جو ہم نے آپؐ کی مدینہ کی تشریف آوری کے متعلق کیا تھا آپ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! جس وقت یہ معاہدہ ہؤا تھا اس وقت ہم نے آپؐ کی شان کو پورے طور پر پہچانا نہیں تھا اور غلطی سے یہ معاہدہ کر لیا مگر اس کے بعد جب آپؐ ہم میں رہے تو ہمیں معلوم ہؤا کہ آپؐ کی کیا شان ہے۔

پس اب اس معاہدے کا کوئی سوال ہی نہیں، سامنے سمندر تھا انہوں نے اس سمندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اگر آپؐ حکم دیں کہ اس سمندر میں کُود جاؤ تو ہم اپنے گھوڑے اس سمندر میں ڈالنے کیلئے تیار ہیں اور یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ جنگ کا کیا پوچھتے ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپؐ کے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور دشمن آپؐ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہؤا نہ گزرے۔[۳]

پھر ان کی محبت کا یہ حال تھا کہ جب بدر کے میدان میں پہنچے تو صحابہ نے ایک اونچی جگہ بنا کر رسول کریم ﷺ کو وہاں بٹھا دیا اور پھر انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کر کے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ تیز رفتار اُونٹنی کس کے پاس ہے۔ چنانچہ سب سے زیادہ تیز رفتار اونٹنی لیکر انہوں نے رسول کریم ﷺ کے قریب باندھ دی۔ رسول کریم ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم تھوڑے ہیں اور دشمن بہت زیادہ ہے ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم تمام کے تمام اس جگہ شہید نہ ہو جائیں، ہمیں اپنی موت کا تو کوئی غم نہیں یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہمیں آپؐ کا خیال ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہم اگر مر گئے تو اسلام کو کچھ نقصان نہیں ہوگا لیکن آپ کے ساتھ اسلام کی زندگی وابستہ ہے پس ضروری ہے کہ ہم آپؐ کی حفاظت کا سامان کر دیں۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! حضرت ابوبکرؓ کو ہم نے آپؐ کی حفاظت کیلئے مقرر کر دیا ہے اور یہ

ایک نہایت تیز رفتار اونٹنی آپ کے قریب باندھ دی ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا وقت آئے کہ ہم ایک ایک کر کے یہاں ڈھیر ہو جائیں تو یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! یہ اونٹنی موجود ہے اس پر سوار ہو جایئے اور مدینہ پہنچ جایئے۔ وہاں ہمارے کچھ اور بھائی موجود ہیں انہیں معلوم نہ تھا کہ جنگ ہونے والی ہے اگر معلوم ہوتا تو وہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہوتے۔ آپؐ ان کے پاس پہنچ جایئے وہ آپؐ کی حفاظت کریں گے اور دشمن کے شر سے آپؐ محفوظ رہیں گے۔[۴] یہ کتنی شاندار قربانی ہے جو صحابہؓ نے پیش کی۔ اس کے مقابلہ میں کیا نمونہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے پیش کیا اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کی محبت کی گرد کو بھی پہنچے تھے۔

پس یقیناً صحابہؓ رسول کریم ﷺ سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے مگر وہ مشرک نہیں ہو گئے تھے کیونکہ خدا کی وہ محبت جو رسول کریم ﷺ نے ان کے دلوں میں قائم کی تھی وہ اس سے بھی بہت اونچی اور بہت بلند تھی۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جتنی محبت خدا سے کی جاتی تھی اتنی ہی محبت رسول کریم ﷺ سے کی جائے تو بھی یہ شرک نہیں ہوسکتا کیونکہ رسول کریم ﷺ نے خدا تعالیٰ کی محبت کا معیار اور زیادہ بلند کر دیا اور اس کو اتنا اونچا کر دیا کہ آپ کی محبت بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہو جاتی ہے۔ پس آج رسول کریم ﷺ سے اتنی محبت کرنا جتنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں خدا سے کی جاتی تھی شرک نہیں۔ کیونکہ خدا کی محبت آج اور زیادہ بلند ہو چکی ہے لیکن اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اتنی محبت کرتا جتنی وہ خدا سے کرتا تھا تو یہ شرک ہوتا۔ جیسے آج کوئی رسول کریم ﷺ سے اتنی محبت کرے جتنی وہ خدا سے کرتا ہے تو یہ شرک ہے، یہی حال نبوت کا ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کا درجہ ہر روز بڑھتا ہے اور کوئی دن آپ پر ایسا نہیں آتا جب آپؐ پہلے مقام سے اور زیادہ آگے نہیں نکل جاتے۔ چنانچہ میں نے جس وقت یہ تقریر شروع کی تھی اس وقت رسول کریم ﷺ جس مقامِ قُرب پر فائز تھے میں یقین رکھتا ہوں کہ اِس وقت وہ اس مقام سے بہت زیادہ آگے نکل چکے ہیں۔ کوئی لحہ ایسا نہیں جس میں رسول کریم ﷺ کے درجہ میں ترقی نہیں ہوتی اور کوئی وقت ایسا نہیں جب آپ کے مدارج بلند نہیں ہوتے مگر ہمارے مخالف کنویں کے مینڈک کی طرح یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ تیرہ سَو سال سے ایک مقام پر بیٹھے ہوئے ہیں حالانکہ آپ روز بروز درجہ میں بڑھ رہے ہیں اور جب ہر لحہ آپؐ کے درجات میں ترقی ہو رہی ہے تو لازماً آپ کا پَیرو بھی درجات میں ترقی کرتا جائے گا۔

اور آپ کے نقش قدم پر چلتا ہؤا اِن مقامات سے گزرتا جائے گا جن مقامات سے آپ گزر چکے ہیں لیکن آپ کا پیرو اور نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہوئے وہ کبھی آپ کے برابر نہیں ہوسکتا اور نہ آپ سے آگے بڑھ سکتا ہے کیونکہ آپؐ کے درجات میں ہر لحہ ترقی ہو رہی ہے اور آپ کا متبع اور پَیرو جتنا بھی آگے بڑھے گا وہ بہرحال آپ کے پیچھے ہی رہے گا اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام باوجود نبوت کے مقام پر فائز ہونے کے کبھی آپ کے برابر نہیں ہوسکتے کیونکہ آپ نے یہ مقام آپؐ کی کامل پیروی سے حاصل کیا ہے۔ یہی مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس شعر میں بیان فرمایا:-

ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رُسلؐ
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

یعنی اے محمد رسول اللہ ﷺ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو نبی کس طرح ہو گیا میں تو نبی اس لئے ہؤا کہ تو خیرِ رُسُل ہے تو جتنا جتنا آگے بڑھتا ہے اتنا اتنا میں بھی بڑھتا چلا جاتا ہوں۔ پس تو آگے ہے اور میں پیچھے۔ مگر مولوی کہتے ہیں کہ یہ شرک فی النبوۃ ہو گیا۔ حالانکہ یہ شرک کس طرح ہو گیا۔ جب کہ تیرے مقام کو میں حاصل ہی نہیں کرسکتا اور جبکہ میری ترقی تیری ترقی پر منحصر ہے۔ پس رسول کریم ﷺ تو ہر روز بلکہ ہر لحہ اپنے درجہ میں بڑھ رہے ہیں مگر یہ مخالف وہیں ہاتھ مار رہے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی اندھا کسی دعوت میں شریک ہؤا، اس کے ساتھ ایک سوجاکھا بیٹھ گیا اندھے نے خیال کیا کہ یہ تو سوجاکھا ہے اور میں اندھا یہ ضرور زیادہ کھا جائے گا۔ چنانچہ اس نے بھی جلدی جلدی لقمے لینے شروع کر لئے تھوڑی دیر کے بعد اس نے خیال کیا کہ میری یہ حرکت تو اس نے دیکھ لی ہوگی اور ضرور اس نے بھی اس کا کوئی علاج تجویز کرلیا ہوگا چنانچہ یہ خیال آنے پر اس نے ایک ہاتھ سے کھانا شروع کر دیا اور دوسرے ہاتھ سے چاول اُٹھا اُٹھا کر اپنی جھولی میں ڈالنے شروع کر دیئے اب دوسرا شخص اس اندھے کی یہ حرکت دیکھ کر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا اور بجائے کچھ کھانے کے وہ اس اندھے کی حرکات کو دیکھ رہا تھا۔ مگر اس اندھے نے سمجھا کہ اس نے ضرور اب کوئی اور تجویز زیادہ کھانے کی سوچ لی ہوگی۔ یہ خیال آتے ہی اس نے تھالی پر ہاتھ مار کر اسے اٹھا لیا اور کہنے لگا بس اب میرا ہی حصہ ہے۔

یہی ان لوگوں کی حالت ہے نہ حقیقت کو سوچتے ہیں نہ اصلیت کو مدنظر رکھتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ تو کہیں پہنچ گئے اور یہ بیٹھے کہہ رہے ہیں کہ شرک فی النبوۃ ہو گیا، شرک فی النبوۃ ہو گیا حالانکہ

یہ ایسی ہی بات ہے جیسے بادشاہ چلتا ہے تو ساتھ ہی پہریدار بھی چلنے لگ جاتا ہے جب بادشاہ ٹھہرتا ہے تو پہرہ دار بھی رُک جاتا ہے اب اگر کوئی کہے کہ یہ پہرہ دار کیسا گستاخ ہے ابھی تھوڑی دیر ہوئی جہاں بادشاہ کھڑا تھا وہاں اب یہ بھی کھڑا ہے تو وہ جاہل اور احمق ہی کہلائے گا۔ اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ تو ہر گھڑی آگے بڑھ رہے ہیں اور آپ کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ہی آپ کے اُمتیوں کو ترقی ہوتی ہے مگر یہ شور مچاتے چلے جاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت سے شرک فی النبوۃ ہوگیا۔ تو ختم نبوت کا مسئلہ کوئی ایسا مشکل نہیں مگر لوگوں نے خواہ مخواہ اس میں اُلجھن ڈال رکھی ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اتنا بلند ہے کہ کوئی انسان وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ہاں آپ کی فرمانبرداری، آپ کی غلامی اور آپ کی کامل اِتباع میں اگر کوئی شخص نبوت کا مقام حاصل کرلے تو اس میں آپ کی ہتک نہیں کیونکہ وہ بہر حال رسول کریم ﷺ کا غلام ہوگا۔ پس یہ مسائل ایسے نہیں کہ جن میں کوئی پیچیدگی ہو۔ سیدھی سادی باتیں ہیں لیکن اگر یہ باتیں بھی کسی کی سمجھ میں نہ آئیں تو وہ ایک موٹی بات دیکھ لے کہ اس وقت دنیا میں اسلام کو عزت اور شان وشوکت حاصل ہے یا وہ کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ اگر اسلام اس وقت اسی شان اور اسی شوکت کے ساتھ قائم ہے جس شان اور شوکت کے ساتھ وہ آج سے تیرہ سَو برس پہلے قائم تھا تو بیشک علاج کی کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر یہ دکھائی دے رہا ہو کہ مسلمان قرآن سے بے بہرہ ہیں، اس کی تعلیم سے غافل ہیں، بادشاہتیں مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتی رہیں، حکومتیں ضائع ہوگئیں تو ہر شخص اپنے دل میں خود ہی سوچے اور غور کرے کہ خدا نے اس وقت رسول کریم ﷺ کی عزت کو بلند کرنے کا کیا سامان کیا ہے۔ وہ اسلام جو رسول کریم ﷺ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا اس پر حملے پر حملے ہو رہے ہیں مگر مسلمان کہتے ہیں کہ اس کے علاج کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ خدا اگر کہے کہ میں کسی کو اصلاح کیلئے بھیجتا ہوں تو یہ مولوی کہنے لگ جاتے ہیں کہ نہ نہ ہمیں کسی مصلح کی ضرورت نہیں۔ پس اگر اسلام اچھی حالت میں ہے تو بے شک کہہ دو کہ حضرت مرزا صاحب نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹے تھے لیکن اگر قرآن کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ چکی ہے۔ اسلام سے وہ غافل ہو گئے ہیں اور عملی حالتوں میں وہ بالکل سُست ہو گئے۔ تو پھر ماننا پڑے گا کہ آپ سچے تھے اور آپ نے عین وقت پر آکر اسلام کو دشمنوں کے نرغہ سے بچایا۔ ورنہ اگر اس زمانہ میں بھی اسلام کی مدد کیلئے خدا تعالیٰ نے توجہ نہیں کی تو وہ کب کرے گا۔ آج خود مسلمان کہلانے والے اسلامی تعلیموں پر عمل چھوڑ چکے ہیں اور وہ خدا کا محبوب

جو اوّلین و آخرین کا سردار ہے اس پر عیسائی ہیں تو وہ حملے کر رہے ہیں، ہندو ہیں تو وہ حملے کر رہے ہیں۔ سکھ ہیں تو وہ حملے کر رہے ہیں، وہ خدا کا رسول جو سارے انسانوں میں سے مقدس ترین انسان ہے جو سید ولد آدم ہے اور جس کی بلند شان تک نہ کوئی پہنچا اور نہ کوئی آئندہ پہنچ سکتا ہے اس کی عزت کو اس طرح پارہ پارہ کیا جا رہا ہے کہ گویا اس کی کوئی قیمت ہی نہیں یہی وہ حالات تھے جن کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی غیرت بھڑکی اور اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ہر اس ہاتھ کو توڑ دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُٹھا، ہر اس زبان کو کاٹ دیا جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف بدزبانی اور بدگوئی کا ارادہ کیا اور آئندہ بھی ہر وہ ہاتھ توڑ دیا جائے گا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُٹھے گا اور ہم جانتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں رسول کریم کی ایک ذرہ بھر بھی محبت ہے وہ آج نہیں تو کل ہمارے پاس آئے گا ہم سپاہی ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کی حفاظت کے لئے کھڑے ہیں جس طرح انصار نے کہا تھا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہؤا نہ گزرے اسی طرح ہم آپ کے آگے بھی لڑ رہے ہیں اور آپ کے پیچھے بھی لڑ رہے ہیں، آپؐ کے دائیں بھی لڑ رہے ہیں اور آپؐ کے بائیں بھی لڑ رہے ہیں۔ ہمارے آدمی دنیا کے ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور اس لئے پھیلے ہوئے ہیں کہ تا محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت دنیا میں قائم کریں۔ پس وہ لوگ جو ہم پر تیر چلاتے ہیں ہم انہیں کہتے ہیں کہ وہ بے شک تیر چلاتے چلے جائیں ہم ان کے تیروں سے ڈرنے والے نہیں۔ بیشک وہ اس وقت زیادہ ہیں اور ہم تھوڑے مگر ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں رسول کریم ﷺ کی ذرہ بھر بھی محبت ہے وہ آج نہیں تو کل ہم سے ضرور آ ملے گا اور جو ہم سے نہیں ملتا وہ رسول کریم ﷺ کا سچا عاشق نہیں کہلا سکتا۔ اس کا دل مُردہ ہے اور مُردہ کو لیکر ہم نے کیا کرنا ہے۔

(الفضل ۲۸ / مارچ ۱۹۵۸ء)

---

ا؎ میکڈانلڈ جیمز ریمزی MACDONALD JAMES RAMSI (۱۸۶۶ء تا ۱۹۳۷ء) برطانیہ کی لیبر پارٹی کا سیاستدان۔ ۱۹۰۰ء میں لیبر پارٹی کا پہلا سیکرٹری بنا۔ ۱۹۰۶ء میں پارلیمنٹ کا رُکن بنا۔ ۲۲/ جنوری ۱۹۲۴ء کو وزیر اعظم بنا۔ وہ برطانیہ

کا پہلا سوشلسٹ وزیراعظم تھا۔ ۹ ماہ تک وزیراعظم رہا۔ ۱۹۲۹ء میں دوبارہ وزیراعظم بنا۔ وہ برطانیہ کا پہلا وزیراعظم تھا جس نے سرکاری فرائض کی انجام دہی کیلئے ہوائی جہاز استعمال کیا۔ اس کے عہد میں برصغیر پاک و ہند کا سیاسی مسئلہ حل کرنے کے سلسلہ میں لندن میں تین گول میز کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ ایک سمندری سفر کے دَوران اس کا انتقال ہوا۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۶۷۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۲؎ مسلم کتاب الجهاد باب غزوة حنين

۳؎ سیرت ابن هشام جلد ۲ صفحہ ۱۲، ۱۳ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۴؎ سیرت ابن هشام جلد ۲ صفحہ ۱۵۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ